ZHK
2013

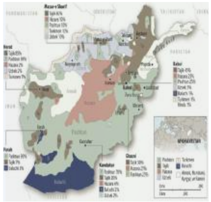

End of the Independent Muslim World?

One subject four articles (1974, 1980, 1988, 2013) and conclusion of the analyses of different interconnected perspectives in just one sentence

As a student of international relations I want to share three published and one unpublished articles, two in Urdu and two in English languages, with my friends and connections.

The first article in Urdu was published in Daily the Mashriq on August 1974 in which I had discussed the possibility of an attempt by former Soviet Union for the redrawing of boundaries between Pakistan, Afghanistan and Tajikistan, Uzbekistan and Turkmania with reference to a book on international politics, Balshaya Sovietskaya Entsaklopedia and Russian geo-politician Mystilawski.

In my second article in Urdu published in Pakistan's largest circulated weekly magazine Akhbar-e-Jehan in 1980 I had discussed in detail the historical background of former Soviet Union's attack on Afghanistan, the possibility of attack on post-revolution Iran, the visible geo-political hurdles in the way for doing so and the possible consequences of such an act.

In 1988 my article in English published in Daily the Muslim discussed the reasons for former Soviet Union's retreat from Afghanistan and the possibility of an unending civil war as a consequence of the political vacuum that was clearly anticipated after the withdrawal of the Soviet troops from Afghanistan.

The fourth article in English, available at my different blogs, was posted on 17th February 2013 discussing the background of the political landscape in the Muslim world and reasons for social and economic unrest and uncertainty which, in present global scenario, apparently do not appear to be unusual to people in general and media in particular.

If I am asked to sum up the ultimate conclusion of these four articles in one sentence, the sentence will be:

"End of the Independent Muslim World Will Be Prevented Only By an Unthinkable, Unimaginable and Unbelievable Miracle"

Zahid Hussain Khalid
Written for my blogs at Wordpress, Slideshare, LinkedIn and Facebook
ZHK 2013

بھارت اور افغانستان قیام پاکستان کے وقت سے ہی اس کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں

تحریر: زاہد حسین خالد

اگست 1974 روزنامہ مشرق کراچی کے ایڈیشن میں شائع ہوا

سردار داؤد کا دورہ ماسکو، خان عبدالولی خان کا دورہ کابل اور اسلام آباد میں ان کی پریس کانفرنس، بھارت کا جوہری دھماکہ اور پاکستانی سرحدوں پر افغان اور بھارتی فوجوں کی نقل وحرکت ہر ذی شعور پاکستانی کو افغانستان اور بھارت کے پاکستان دشمنی پر مبنی عزائم سے آگاہ کرتی ہے۔ افغانستان نے "پختونستان" اور ہندوستان نے اکھنڈ بھارت کا خواب اسی وقت دیکھنا شروع کر دیا تھا جب پاکستان معرض وجود میں آیا تھا۔ ان دو دوستوں کے نزدیک اس وقت پاکستان تنکوں سے بنائے ہوئے ایک ایسے گھر کی مانند تھا جسے حوادث زمانہ کی ہلکی سی لہر سے بکھر جانا چاہئے تھا مگر جب اس گھر کے بنانے والوں کا عزم اور حوصلہ اس کے استحکام، سالمیت اور مضبوطی میں دن دگنا رات چوگنا اضافہ کرنے لگا تو یہ بات نہ بھارت کو بھلی لگی اور نہ ہی افغانستان کو۔ جب پاکستان اپنی عمر کے انیسویں سال میں داخل ہوا تو بھارت نے سوچا جو گھر حوادث زمانہ کے تھپیڑے سہہ گیا ہے وہ شاید طاقت سے مغلوب ہو جائے۔ یہی کچھ سوچ کر ستمبر 1965ء میں اس نے طاقت بھی استعمال کر ڈالی اور ایسی منہ کی کھائی کہ سوائے یقین کرنے کے چارہ نہ رہا کہ یہ گھر تنکوں کا نہیں بلکہ دس کروڑ انسانوں کے آہنی عزم اور ناقابل تسخیر قوت ارادی کی چٹانوں سے مل کر بنا ہے۔ جب امیدیں ٹوٹ گئیں، جب اینٹ کا جواب پتھر سے ملا تو ان دو دوستوں میں سے ایک نے وقتی طور پر خاموشی اختیار کر لی۔ اس نے سوچا کہ جب اس سے کئی گنا طاقتور حریف پاکستان کو نہیں پچھاڑ سکا تو وہ کیونکر اپنے عزائم میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ اس وقت کا یہ چپ سادھنے والا ملک آج بڑھ بڑھ کر بولنے اور پاکستان کی سرحدوں پر اپنی افواج جمع کرنے والا ملک افغانستان ہے۔ افغانستان کی یہ ہمت کیونکر ہوئی؟ کہا جاتا ہے کہ جہاں سیاست کام نہیں آتی وہاں طاقت استعمال کی جاتی ہے اور جہاں طاقت بھی ناکام ہو جائے وہاں سازشوں سے کام لیا جاتا ہے۔ سازش صرف اس ملک کے خلاف کی جاتی ہے اور ملک کے اس حصے میں کامیاب ہوتی ہے جہاں کے لوگ جہالت، غربت اور محتاجی کے سبب سیاست کے نشیب وفراز سے ناآشنا ہوتے ہیں جنہیں ملک تو کیا اپنے مفادات کا علم بھی نہیں ہوتا۔ جب بھارت سیاست اور طاقت دونوں کے ذریعے پاکستان کو مغلوب نہ کر سکا تو سازش پر اتر آیا۔ اس سازش میں اسے کس طرح کامیابی ہوئی یہ ایک طویل داستان ہے جسے دہرانا فضول ہے کیونکہ پاکستان کا ہر شہری کسی حد تک اس کے تمام پہلوؤں سے واقف ہے۔

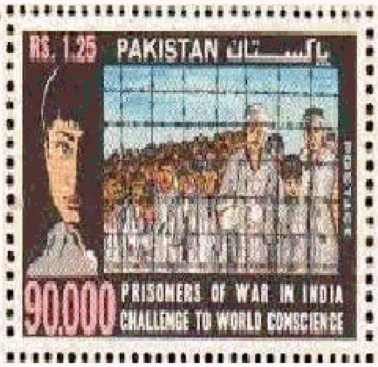

پاکستان کو عظیم طاقتوں سے گٹھ جوڑ کے بعد ایک بازو سے محروم کر دینے پر بھارت اور افغانستان دونوں اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ ملک جو دو بازو رکھتے ہوئے ان کی سازشوں کا مقابلہ نہیں کر سکا ایک بازو سے اپنا دفاع کیونکر کر سکتا ہے مگر یہ ان دونوں ممالک کی سیاسی ناپختگی کا ثبوت ہے۔ کسی بھی ملک کے خلاف سازش صرف اس صورت میں کامیاب ہوتی ہے جب اس ملک کی قیادت اور ملک کے عوام کو جس کے خلاف سازش کی جری ہو اسے اس کے بارے میں علم نہ ہو۔ کشمیر سے متعلق بھارت اور سرحد سے متعلق افغانستان کے عزائم سے ہر پاکستانی بخوبی واقف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دو ممالک اب

پاکستان کے بیدار عوام کو نہ سیاست کے میدان میں شکست دے سکتے ہیں نہ طاقت کے میدان میں اور نہ ہی عالم اسلام کے اس قلعے کے خلاف سازشیں انہیں کامیابی سے ہمکنار کر سکتی ہیں۔ یہ محض قیاس آرائی نہیں بلکہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ کیونکہ اگر بھارت کو اپنی سیاست طاقت پر انتہائی اعتماد ہوتا تو اسے بین الاقوامی قوانین اور بین الاقوامی معاہدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایٹمی دھماکے کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

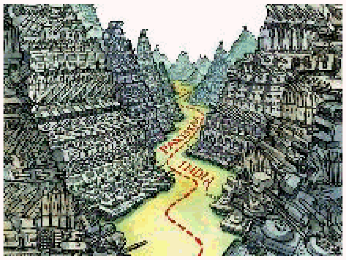

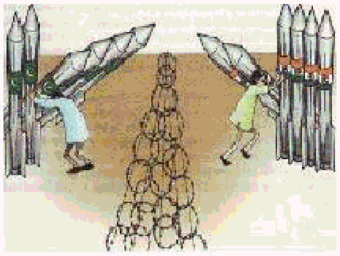

بھارت کے جوہری دھماکے کے بعد اس کے تین عزائم کھل کر سامنے آتے ہیں۔ اول بھارت ایٹمی طاقت بن کر اپنے آپ کو چین کا ہم پلہ ثابت کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے تا کہ چین کی مخالف عظیم تر طاقتوں سے خوب امداد بٹور سکے۔ دوم تیسری دنیا کی قیادت حاصل کر سکے اور سوم بلیک میل کے ذریعہ کمزور اور چھوٹے ہمسایہ ممالک کو ہر وہ کام کرنے پر مجبور کر سکے جو اس کے مفادات کے عین مطابق ہو خواہ بلیک میل کیے جانے والے ممالک کی آزادی و علاقائی سالمیت برقرار رہے یا نہ رہے۔ بھارت کے اول الذکر دو عزائم کا تعلق بین الاقوامی سیاست یا دوسرے لفظوں میں "پاور پولیٹکس" سے ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی زد میں صرف پاکستان نہیں بلکہ چین اور تیسری دنیا کی تمام اقوام بلا امتیاز آتی ہیں لہٰذا یہ ان سب کا مشترکہ مسئلہ ہے۔ بھارت چین کا ہم پلہ ہونا چاہتا ہے یا نہیں یہ تو دور کی بات ہے اور تیسری دنیا کی قیادت بھی ایک خواب ہی ہے۔ لیکن بھارت کے ان عزائم میں سے آخر الذکر پاکستان کے لئے خصوصی اہمیت کا حامل ہے اگر یہ حقیقت نہ ہوتی تو پاکستان کے وزیر اعظم ہندوستان سے بات چیت اس وقت تک کے لئے ملتوی نہ کرتے جب تک تک بھارت ایٹمی توانائی کے پر امن استعمال کی ضمانت نہ دیتا۔ یہ وزیر اعظم کے سیاسی تدبر، خودداری اور بلند حوصلگی کی روشن دلیل ہے کہ انہوں نے نہ صرف بھارت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے سے صاف انکار کر دیا بلکہ عوامی رابطے کی ایسی مہم پر نکل کھڑے ہوئے جس نے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک عوام کو بھارت کے عزائم سے آگاہ کرنے میں شاندار اور تاریخی کردار ادا کیا ہے۔

بھارت اور افغانستان نے جب یہ دیکھا کہ پاکستان طاقت سے بھی مرعوب نہیں ہوتا اور سازشوں کی کامیابی کا بھی کوئی امکان نہیں تو ان دونوں ممالک نے پاکستان کی سرحدوں پر اپنی افواج کی نقل و حرکت پہلے سے زیادہ تیز کر دی اور ولی خان کو سردار داؤد کے دورہ ماسکو سے پہلے اور بعد میں ان سے بار بار ملنے کی ضرورت پیش آنے لگی اور اچانک افغانستان نے نام نہاد پختونستان کا پروپیگنڈہ تیز کر دیا۔ سردار داؤد کابل واپس پہنچے اور ولی خان اسلام آباد تو اول الذکر صاحب پاکستان کے غیور پٹھانوں کے سب سے بڑے ہمدرد ہونے کی سند ساتھ لائے اور دوسرے کی آنکھوں کو نہ جانے کیا ہوا کہ قائد اعظم نہیں علیحدگی پسند نظر آنے لگے لیکن شاید ہمارے وزیر اعظم نہ صرف ان دونوں کی پیدائشی اور موروثی بیماریوں سے بخوبی واقف ہیں بلکہ اس عظیم طاقت کے مفادات سے بھی آگاہ ہیں جن پر یہ تکیہ لگائے بیٹھے ہیں اور بے قراری سے گا رہے ہیں۔ ساجن مورے آئیں گے، پختونستان بنائیں گے، ان کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ اول تو ساجن آئیں گے ہی نہیں اور اگر آئے بھی تو پاکستان کا سربراہ، پاکستان کے عوام اور پاکستان کی جیالی افواج سرحدوں پر ان کا "پرتپاک" خیر مقدم کرنے کے لئے سر سے کفن باندھے موجود ہوں گی اور پھر سیاست تو سب کو معلوم ہی ہے کہ شطرنج کے کھیل کی مانند ہے کیا خبر دی پتے ہوا دینے لگیں جن پر تکیہ ہے۔ وہ اس لئے کہ افغانستان میں صرف افغان ہی نہیں بلکہ تاجک، ازبک، ترکمان اور پٹھان بھی بستے ہیں اور پاکستان میں آباد پٹھانوں کی تعداد افغانستان میں آباد پٹھانوں سے کہیں زیادہ ہے جس طرح دریا سمندر میں گرتا ہے اسی طرح اصولاً تو افغانستان کے پٹھانوں کو پاکستان میں شامل ہونے کی فکر کرنی چاہئے نہ کہ سردار داؤد صاحب کو پاکستان کے ان پٹھانوں کی فکر میں دبلا ہونا چاہئے جنہیں چرچل نے اپنی کتاب میں "دی گریٹ پٹھانز" یعنی عظیم پٹھانوں کے نام سے یاد کیا ہے۔

افسوس تو اس بات کا ہے کہ سردار صاحب پٹھانوں کے ہمدرد و غمخوار ہوتے ہوئے بھی پٹھانوں کے مزاج سے ناواقف ہیں۔ انہیں علم نہیں کہ جس قدر فاصلہ بنگال اور صوبہ سرحد کے درمیان ہے اس سے ہزار گنا زیادہ ایک بنگالی اور پٹھان کے مزاج میں فرق پایا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے صوبہ سرحد کے پٹھانوں کی خاصی بڑی تعداد اعلیٰ تعلیم سے محروم ہے مگر خوش قسمتی سے ان کا بچہ بچہ اس قابل ہے کہ آزادی اور غلامی کے درمیان اپنے خون سے خط امتیاز کھینچ سکے۔ یہی وجہ ہے کہ "خان فیملی" کی مخلصانہ تعاون و کوششوں کے باوجود اب تک سردار صاحب اپنے عزائم میں کامیاب نہیں ہو سکے لیکن صورت حال میں ہم وزیر اعظم بھٹو کی طرح انہیں ان کی دوسروں کے اندرونی معاملات میں مداخلت کی بیماری کا ایک ہی علاج بتا سکتے ہیں، ایک ہی مشورہ دے سکتے ہیں اور وہ یہ کہ بھڑ کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے سے کیا فائدہ۔ خواہ مخواہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے اور پھر افغانستان میں جان بچانے کے لئے پانی بھی کہیں نہیں ملے گا۔ جو خوطہ لگا کر آپ جان بچا سکیں۔ اگر یہ سیدھی سادی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آتی تو چلو ہم سمجھائے دیتے ہیں۔ سردار صاحب۔ آپ ہی بتایئے اگر آج افغانستان میں بسنے والے تاجک اور ازبک روسی صوبوں تاجکستان اور ازبکستان میں اور پٹھان پاکستان میں شمولیت کا اعلان کر دیں یا اس خواہش کا پر تشدد اظہار نہ کریں تو کیا آپ انہیں ایسا کرنے دیں گے؟ ویسے اصل بات یہ ہے کہ آپ کو افغانستان کی اپنی علاقائی سالمیت اور اس کا اپنا وجود خطرے میں نظر آتا ہے۔

1954ء میں شائع ہونے والی ایک کتاب بین الاقوامی تعلقات کے مصنفین رابرٹ سٹراز ہیوب اور اسٹیفنس۔ ٹ پوسٹی نے روسی ماہرین شماریات کے حوالے سے لکھا ہے کہ افغانستان کے ایک کروڑ بیس لاکھ باشندوں میں سے چالیس لاکھ سے زائد تاجک اور سات لاکھ پچاس ہزار ازبک ہیں جن کا وہاں استحصال ہو رہا ہے ان دو مصنفین نے روسی ماہرین شماریات کی اس منطق سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جنوبی افغانستان کے ان علاقوں کو جن میں ترکمان، تاجک اور ازبک اقلیتیں آباد ہیں بالترتیب ترکمانیہ، تاجکستان اور ازبکستان میں شامل کئے جانے کی کوشش کی جا سکتی ہے دوسری طرف پاکستان میں پٹھانوں کی تعداد افغانستان سے دوگنی ہے انہیں مصنفین نے بڑھایا سوویتکایا انسائیکلو پیڈیا کی جلد 4 صفحہ 83 کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ ایشیائی ریاستوں کی تنظیم نو کے پیچھے روس کے مشہور جغرافیہ داں مسٹی لاوسکی کا ذہن کار فرما ہے۔ افغانستان بقول مسٹی لاوسکی کے ایسے علاقوں کا مصنوعی مجموعہ ہے جو معاشی یا تہذیبی کسی بھی طور پر ایک دوسرے سے پیوستہ نہیں ہیں اور ایسے علاقوں کا ایک طویل عرصے تک کسی غیر جمہوری حکومت کے تحت ایک مرکز کے ماتحت رہنا ممکن نظر نہیں آتا۔ ان علاقوں کے باشندوں کو جن کا تعلق مختلف قومیتوں، مختلف زبانوں اور مختلف نسلوں سے ہے کسی بھی لمحے مرکز سے بغاوت پر بآسانی اکسایا جا سکتا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس سے پاکستان کے وزیر اعظم افغانستان کے سربراہ کو بار بار اپنی عوامی رابطہ مہم کے دوران آگاہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں انہوں نے بار بار اس بات پر زور دیا ہے کہ افغانستان اور ہندوستان دونوں ممالک کے سربراہ آگ سے کھیلنے کی کوشش نہ کریں اس لئے کہ یہ ان کے اپنے مفاد کے خلاف ہوگا۔ اگر وہ پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کر سکتے ہیں تو پاکستان کب تک یہ تماشا خاموشی سے دیکھتا رہے گا۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایک عظیم المیہ کے بعد پاکستانی قوم میں اتنا شعور پیدا ہو گیا ہے کہ وہ دوست اور دشمن میں تمیز کر سکے۔ ہم نے دو دشمنوں کو پہچان لیا ہے۔ اصل بات تو دشمن کو پہچاننے کی ہوا کرتی ہے دشمن پہچانا جائے تو اس سے مقابلہ کرنا نہ صرف انتہائی سہل ہو جاتا ہے بلکہ اکثر یہاں تک ہوتا ہے کہ وہ حملہ کرنے کا ارادہ ہی ترک کر دیتا ہے اب ہمیں دوست نما دشمنوں کو پہچاننا ہے جو ہماری آستینوں میں چھپے بیٹھے ہیں۔ جو اس دھرتی کے سینے سے نکلا ہوا اناج کھاتے ہیں اور اسی کی کوکھ اجاڑنے کی فکر میں ہیں۔ ہمدردانہ گفتگو کرتے ہیں اور ذہنوں میں زہر گھول جاتے ہیں۔ دوست کو دوست سے لڑاتے ہیں۔ بھائی کو بھائی کے خلاف اکساتے ہیں اور ساتھیوں کی پیٹھ میں چھرا گھونپتے ہیں۔ لامحدود کو محدود ہو جانے پر مائل کرتے ہیں۔ اپنے چہروں پر نقلی شرافت اور عظمت کا خول چڑھائے عوام کی صفوں میں رہنما بن کر داخل ہوتے ہیں اور ان صفوں کو تتر بتر کر دیتے ہیں جن سے مل کر قوم بنتی ہے۔

افغانستان میں روسی کاروائی کے تاریخی اسباب کا جائزہ

تحریر: زاہد حسین خالد

فروری 1980 کے اخبار جہان میں شائع ہوا

افغانستان میں جن کاروائیوں کو پوری دنیا حیرت و تشویش کے ملے جلے جذبات کے ساتھ دیکھ رہی ہے وہ بین الاقوامی تعلقات کے ماہرین کے لئے قطعی باعث حیرت یا غیر متوقع نہیں۔ بین الاقوامی تعلقات کے وہ ماہرین، اساتذہ و طلباء جنہوں نے رابرٹ اسٹرازہیوپ و اسٹیفن ٹی پسونی کی کتاب "پروبیجرز آف انٹرنیشنل ریلیشنز" اور "بلشایا سویٹسکایا انسکلوپیڈیا" کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ زار روس پیٹر دی گریٹ کے زمانے میں چاروں اطراف سے برف و دشمنوں سے گرے ہوئے تہذیبی، اخلاقی، اقتصادی اور دفاعی طور پر پسماندہ (Land Locked) روس کا ارتقاء پذیر دنیا کی ترقی پسند تحریکوں سے بالعموم و یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور تحریک اصلاح سے بالخصوص مستفید کرانے کے لئے گرم پانیوں کی پالیسی پر عملدرآمد کا آغاز کیا گیا تھا۔ یہ پالیسی روس کے اردگرد موجود ممالک کے خلاف سفارتی جوڑ توڑ و اقتصادی لالچوں اور جارحانہ کاروائیوں کے ہتھکنڈوں پر مشتمل تھی۔ یہ ہتھکنڈے دوسری جنگ عظیم کے اختتام اور اقوام متحدہ کے قیام تک نہ صرف قابل عمل تھے بلکہ روسی حکمرانوں کے لئے مثبت نتائج کے اعتبار سے بھی نہایت حوصلہ افزا تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد قوموں کی اکثریت کے اقوام متحدہ کے منشور پر مکمل اتفاق کے نتیجے میں کسی بھی چھوٹے یا بڑے ملک کی جانب سے ہمسایہ یا غیر ہمسایہ ممالک کے خلاف جارحانہ اور تشدد پسندانہ کاروائیوں کے امکانات معدوم ہونے کے باعث روس کے جغرافیائی سیاستدانوں (Geo Politicians) اور جنگی حکمت عملی کے ماہروں کو گرم پانیوں کی پالیسی کی نوک پلک درست کرنے کی ازسرنو ضرورت محسوس ہوئی اور کافی طویل عرصے تک غور و فکر اور جغرافیائی دفاعی نوعیت کی انتہائی خفیہ تحقیقات کے بعد انہوں نے گرم پانیوں کے منصوبے پر عملدرآمد روک کر ایشیائی ریاستوں کی تنظیم نو کے منصوبے کی کامیابی کے امکانات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ روس کی بین الاقوامی دفاعی و نظریاتی حکمت عملی میں اس تبدیلی کی سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ گرم پانیوں کے منصوبے میں جن اغراض و مقاصد کو سامنے رکھا گیا تھا ان میں بیشتر دوسری جنگ عظیم کے بعد یورپ کی نظریاتی بنیاد پر کمیونسٹ اور غیر کمیونسٹ بلاکس یا دھڑوں میں تقسیم اور سمندروں کے قانون پر قوموں کے اتفاق کے نتیجے میں تقریباً تقریباً پایہ تکمیل تک پہنچ چکے تھے۔ نظریاتی بنیادوں پر یورپی ممالک کی دو دھڑوں میں تقسیم کے نتائج کو سامنے رکھتے ہوئے غیر کمیونسٹ بلاک نہ صرف محتاط اور متحد ہو گیا بلکہ روس کو دنیا کے اقتصادی اور فوجی لحاظ سے طاقتور ترین علاقے میں زبردست اور موثر ترین مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ یورپ کے غیر کمیونسٹ ممالک روسی سرزمین سے اٹھنے والے جس نظریاتی سیلاب کے سامنے بند باندھنے میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے اسی سیلاب کا "ایشیائی ریاستوں کی تنظیم نو" کے منصوبے کے نام پر براعظم ایشیا کے ممالک کو سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہاں پر قاری یہ جاننا چاہے گا کہ گرم پانیوں کے منصوبے اور "ایشیائی ریاستوں کی تنظیم نو" کے منصوبے میں کیا فرق ہے؟ ایشیائی ریاستوں کی تنظیم نو کا منصوبہ کیا ہے؟ اس منصوبے کے ایشیائی ریاستوں کی سالمیت یکجہتی اور استحکام پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ اور اس منصوبے کے مضر اثرات سے محفوظ رہنے کے لئے ایشیائی حکومتوں کو کس قسم کی حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے؟

جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے "گرم پانیوں کے منصوبے" کا مقصد روس کا دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کے ساتھ رابطہ قائم کرنا تھا۔ اس منصوبے پر عملدرآمد کے لئے روس کے حکمرانوں کو داخلی اور خارجی دونوں محاذوں پر لڑنا تھا۔ داخلی محاذ پر لڑائی کا مقصد جہالت کا خاتمہ تعلیم کا فروغ صنعتی اور زرعی ترقی کے لئے راہ ہموار کرنا اور بیرونی انحصار پر خاتمے کے ساتھ ساتھ غربت پر قابو پانا تھا۔ جبکہ خارجی محاذ پر لڑائی کا مقصد روس کا بیرونی دنیا سے رابطہ قائم کرنا تجارت کو فروغ دینا اور سرحدی تنازعات سے نجات حاصل کرنا تھا۔ ان دونوں محاذوں پر روس کو دوسری جنگ عظیم سے پہلے ہی بڑی حد تک کامیابی حاصل ہو چکی تھی جبکہ رہی سہی کسر دوسری جنگ عظیم کے نتائج نے پوری کر دی۔ اور روس اس قابل ہو گیا کہ نہ صرف دنیا کی بلاشرکت غیرے عظیم ترین فوجی طاقت امریکہ کے ساتھ جدید ترین اور مہلک ہتھیاروں کی دوڑ میں برابری کا دعویدار ہو سکے۔ بلکہ اس کا شکار دنیا کے مہذب ترین ممالک میں بھی ہونے لگے۔ چنانچہ گرم پانیوں کا منصوبہ ایک حد تک پایہ تکمیل تک پہنچ گیا اور دنیا کو "سمندری قوانین" میں قوموں کی خواہش کے مطابق ترامیم اور ان کے تمام ممالک پر یکساں اطلاق کے نتیجے میں اس منصوبے سے غیر معمولی خطرہ لاحق نہیں تھا۔ اصل خطرہ جس نے دوسری عالمگیر جنگ کے بعد زبردست اہمیت حاصل کی۔ اس نے دراصل اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں کمیونسٹ نظریات کے متوقع پھیلاؤ کے خوف کی کوکھ سے جنم لیا۔ یہی خوف تھا جس کی وجہ سے بیشتر ممالک نے محض اس لئے غیر کمیونسٹ ممالک کے دفاعی اور اقتصادی معاہدوں میں شمولیت کو ترجیح دی تاکہ وہ "پاور پالیٹکس" کے منفی اثرات سے نہ سہی تو کم از کم نظریاتی سطح پر تو محفوظ رہیں ورنہ امریکہ اور روس دونوں کے توسیع پسندانہ عزائم ایک دوسرے سے مختلف نہیں۔

دونوں "پاور پالیٹکس گیم" میں ایک دوسرے کے بلاشرکت غیرے حریف ہیں۔ اور پسماندہ ممالک کی وہی حیثیت ہے جو شطرنج پر دو بڑوں کے ارد گرد موجود پیادوں کی ہوتی ہے۔

گرم پانیوں کے منصوبے کے برعکس ایشائی ریاستوں کی تنظیم نو کا (جیسا کہ نام سے ظاہر ہے) تعلق ایشیائی ممالک کے جغرافیائی محل وقوع میں خود اختیاری یا جبری ردوبدل سے ہے۔ لہذا اول الذکر منصوبے کا اثر تو اس ملک پر پڑ سکتا تھا اور پڑ سکتا ہے جو گرم پانیوں اور روس کے درمیان حائل ہے۔ جب کہ ایشیائی ریاستوں کی تنظیم نو کے منصوبے کی زد میں صرف اور صرف ایشیائی ممالک ہی آتے ہیں۔ اسطرح ان دونوں منصوبوں کا جزوی یا واجبی طور پر تو ایک دوسرے سے تعلق ہو سکتا ہے مگر نتائج یا اثرات کے اعتبار سے دونوں کو ایک ہی سمجھنا غلط ہو گا یہ تو تھا دونوں کے مابین فرق۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ "ایشیائی ریاستوں کی تنظیم نو" کا منصوبہ ہے کیا؟

ایشیائی ریاستوں کی تنظیم نو کے منصوبے کا انکشاف سب سے پہلے رابرٹ اسٹراز ہیوپ اور اسٹیفن ٹی پوسونی نے 1954 میں شائع ہونے والی کتاب "پروبلمز آف انٹرنیشنل ریلیشنز" میں "برٹانیکا سوویتسکایا انسکلوپیڈیا" اور مشہور روسی جیو پالیٹیشن مستی لارسکی کے حوالے سے کیا۔ اس سے پہلے کوئی بھی اس سے واقف نہ تھا اور اب تک بیشتر لوگ اسے "ایشین سیکیورٹی سسٹم" کے نام سے جانتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ایشین سیکیورٹی سسٹم کا مقصد چین کا گھیراؤ ہے۔ جبکہ حقیقتاً روس اس منصوبے کی مدد سے ایک جانب اپنی سرحدوں کو مزید وسعت دینا چاہتا ہے اور دوسری جانب کئی ایشیائی ممالک کے جغرافیائی محل وقوع میں علیحدگی پسند عناصر کی نام نہاد علیحدگی پسند تحریکوں کی مدد سے یا سرحدی تنازعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایشیاء کے ایک ملک کو دوسرے ملک سے لڑا کر تبدیلی کرانا چاہتا ہے تاکہ اس کی خفیہ منصوبہ بندی کے تحت مجوزہ توسیع شدہ سرحدوں کو کسی قسم کا خطرہ لاحق نہ ہو سکے۔ انہی دونوں مصنفوں نے حالات کا تفصیلی جائزہ اور پس منظر بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ روسی ماہرین کے خیال میں "ایشیائی ممالک ایسی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا مصنوعی مجموعہ ہیں جنہیں سماجی مذہبی اور نسلی اعتبار سے طویل عرصے تک ایک مرکز کے ماتحت متحد رکھنا ممکن نظر نہیں آتا۔" روسی ماہرین کا یہ خیال کسی ایشیائی ملک کے بارے میں نہیں بلکہ اکثر ایشیائی ممالک کے بارے میں ہے۔ ان تمام ممالک میں بلا شبہ نام نہاد علیحدگی پسند تحریکیں اور وطن دشمن عناصر موجود ہیں۔ لیکن ان تحریکوں اور عناصر کے اپنے عزائم میں کامیاب ہونے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں پھر بھی امید پر دنیا قائم ہے کے مصداق روس ان تحریکوں اور عناصر کی حوصلہ افزائی میں ہر جگہ پیش پیش نظر آتا ہے۔ روس کے ایشیائی ریاستوں کی تنظیم نو کے منصوبے کی کامیابی کے بارے میں پر امید ہونے اور علیحدگی پسند عناصر کی حوصلہ افزائی کرنے کے چند بنیادی مگر نہایت ہی اہم اور غور طلب اسباب ہیں۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دنیا کے تمام بڑے بڑے انقلابوں اور تحریکوں کی کامیابی کے لئے غربت و افلاس، جہالت و پسماندگی، طبقاتی اونچ نیچ، ذات پات اور ظالم و مظلوم کے درمیان طویل کشمکش نے راہ ہموار کی۔ اگر غور کیا جائے تو یہ تمام عوامل فی الحقیقت ایشیائی ممالک میں سیاسی، سماجی اور اقتصادی زندگی کے جزو لاینفک کے طور پر بالکل واضح دکھائی دیتے ہیں لہذا روسی ماہرین یہ سمجھنے میں حق بجانب دکھائی دیتے ہیں کہ ان ممالک میں ان کے حسب منشاء انقلاب برپا کرنے کے لئے خاصے اچھے مواقع موجود ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان ممالک میں انقلاب کی راہ ہموار کرنے سے روس کو کیا فوائد حاصل ہوں گے؟

ایشیاء کی دوسری ریاستوں کی طرح روس میں بھی مختلف النسل اور مختلف المذاہب قومیں آباد ہیں روس کو سب سے زیادہ تشویش ایران اور افغانستان سے ملحقہ روسی وفاقی ریاستوں کے مسلمانوں سے لاحق ہے کیونکہ ایک طرف ان وفاقی ریاستوں کے مسلمان روسی باشندوں کا مذہبی اعتبار سے افغانستان کی روس سے ملنے والی سرحدوں پر واقع شہروں کے مسلمانوں کے رسم ورواج، ماحول اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے چلائی جانے والی تحریکوں سے متاثر ہونا فطری دکھائی دیتا ہے اور دوسری طرف ایران کے واقعات روس کے لئے ایران سے ملنے والی سرحد کیساتھ ساتھ واقع روسی ریاستوں میں آباد مسلمانوں کی وجہ سے باعث تشویش ہیں۔لہذا روس یہ چاہتا ہے کہ اس کی سرحدوں سے جن ممالک کی سرحدیں ملتی ہیں وہاں یا تو بائیں بازو کی روس نواز حکومت ہو یا ایسی حکومت جو امریکہ کے بھی زیر اثر نہ ہو۔اس بات کا ثبوت "پاور پالیٹکس" کے موضوع پر لکھی جانے والی بیشتر کتابوں میں درج حقائق اور اعداد وشمار سے ملتا ہے جنکے مطابق روس نے افغانستان، ایران اور دوسرے کئی ایشیائی ممالک میں پانی کیطرح روپیہ بہایا ہے۔اس اسراف کا مقصد ایک طرف تو یہ تھا کہ ایران میں معزول شاہ کی امریکہ نواز حکومت سے نجات حاصل کی جائے جو خلیج فارس کی ریاستوں میں روسی اثر ونفوذ اور عمل وفعل کی راہ میں حائل تھی جبکہ دوسری طرف افغانستان میں ظاہر شاہ کے خلاف سردار داؤد کی بغاوت کی کامیابی کا مقصد انہیں پاکستان کے خلاف استعمال کرنا بھی تھا۔

رابرٹ اسٹرازھوپ اور اسٹیفن ٹی پوسونی نے روسی ڈیو پلیٹیشنز اور جنگی حکمت عملی کے ماہرین کے حوالے سے جو انکشافات کئے ہیں ان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ظاہر شاہ کا تختہ الٹ کر سردار داؤد کو برسر اقتدار کیوں لایا گیا؟ ان دونوں مصنفین نے روسی ذرائع کے حوالے سے لکھا ہے کہ "افغانستان میں آباد پٹھانوں کی تعداد پاکستان میں آباد پٹھانوں سے کئی گنا کم ہے جبکہ افغانستان کی آبادی کی اکثریت کا نسلی ولسانی اعتبار سے تعلق روس کی وفاقی ریاستوں ترکمانیہ، تاجکستان اور ازبکستان کے باشندوں سے ہے لہذا فوجی حکمت عملی کے روسی ماہرین نے در پردہ یہ طے کیا کہ ڈیورنڈ لائن کے مسئلے پر پاک افغان تنازعے کا فائدہ اٹھایا جائے، نام نہاد پختونستان کے نام پر چلائی جانیوالی فرضی تحریک کو ایک باقاعدہ تحریک میں بدل کر افغانستان کی پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے لئے راہ ہموار کی جائے اور جب خدانخواستہ پاکستان دشمن عناصر پاکستان کو صوبہ سرحد سے محروم کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو ایک خفیہ معاہدے کے ذریعے روس اپنے پہلے سے تیار کردہ منصوبے کو عملی جامہ پہنائے۔ مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سفارتی سطح پر کوششوں کے نتیجے میں پاکستان افغانستان کے حکمرانوں پر یہ بات ثابت کرنے میں بڑی حد تک کامیاب ہو گیا کہ پاکستان کی سرحدوں پر افغان فوجیوں کی نقل وحمل اور اس کے متوقع نتائج کا فائدہ افغانستان کو نہیں بلکہ روس کو پہنچے گا۔پاکستان ہی کو نہیں بلکہ افغانستان کو بھی اپنے علاقوں سے محروم ہونا پڑے گا اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ "جن پتوں پر وہ تکیہ کر رہے ہیں وہی ہوا دینے لگیں۔"

ان سفارتی کوششوں کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا اور سردار داؤد کے رویے میں حوصلہ افزا تبدیلی پیدا ہوئی اور وہ مذاکرات کے ذریعے معاملات کو سلجھانے پر رضامند ہو گئے۔ یہ فیصلہ اگرچہ دونوں ممالک کیلئے دوستانہ تعلقات کا نقطہ آغاز بھی ثابت ہو سکتا تھا مگر روس نے سردار داؤد کو اتنی مہلت نہ دی اور انہیں ہلاک کرا کے نور محمد ترہ کئی کو آگے لایا گیا مگر حالات میں جو ڈرامائی تبدیلی رونما ہو چکی تھی اسے سامنے رکھتے ہوئے نور محمد ترہ کئی روس کیلئے بالکل مددگار ثابت نہیں ہو سکتے تھے لہذا انکا حفیظ اللہ امین کے ہاتھوں وہی حشر ہوا جو سردار داؤد کا ترہ کئی کے ذریعہ ہو چکا تھا۔ حفیظ اللہ امین کے دور میں وہ چنگاری شعلہ بن چکی تھی جسکے خوف نے روس کو "ایشیائی ریاستوں کی تنظیم نو" کا کھیل رچانے پر اکسایا تھا اور روس کی پسند کے کسی بھی افغان رہنما کے بس کی بات نہیں تھی کہ وہ افغان فوج اور عوام کو پاکستان کے خلاف ایکشن پر اکسا سکے یا پاکستان کے کسی حصے پر جارحانہ کاروائی کے ذریعے روس کے علاقائی توسیع پسندی کے منصوبے کا پایہ تکمیل تک پہنچانے میں مدد دے سکے۔ لہذا روس کو "وسیع تر قومی مفاد" میں بظاہر ببرک کارمل کی "دعوت" پر افغانستان میں براہ راست فوجی کاروائی کرنی پڑی۔ یہ تو تھا روس کے "ایشیائی ریاستوں کی تنظیم نو" کے منصوبے کا پس منظر اور افغانستان میں روسی فوجیوں کی براہ راست کاروائی کا اصل سبب مگر اس کاروائی کیلئے "ایران کے سفارتی بحران" نے روس کو موقع فراہم کیا لہذا اگر مختصراً اس پہلو پر بھی غور ہو جائے تو بہتر ہو گا۔

یہ حقیقت ہے کہ شہنشاہ ایران کے زوال میں انکے آمرانہ طرز حکومت اور سیاسی مخالفین پر ظلم و تشدد نے اہم کردار ادا کیا ہے مگر عوام کو شاہ کے خلاف اکسانے، بغاوت کیلئے تیار کرنے اور انکے خلاف نفرت بھرے جذبات کو ہوا دینے میں روس کی کوششوں کا بھی دخل تھا۔ شاہ کی معزولی اور آیت اللہ خمینی کے معاملات حکومت میں عمل دخل کے بعد ایران نے امریکہ کے خلاف جو رویہ اختیار کیا تھا وہ اس کیلئے باعث اطمینان تھا اور اسے یہ یقین ہو چلا تھا کہ اگر آیت اللہ خمینی نے روسی اثر و نفوذ نہ بھی قبول کیا تو بھی وہ امریکہ کی ایران کے معاملات میں مزید مداخلت ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔ آیت اللہ خمینی کی توقعات کے برعکس امریکہ نے شاہ کی معزولی کے بعد بھی جس طرح انکی پذیرائی کی اس نے اور امریکہ کے مابین تعلقات کی کشیدگی میں مزید اضافہ کیا جو روس کیلئے مزید باعث اطمینان تھا۔ ایرانی طلبہ کی تہران میں امریکی سفارتی عملے کو یرغمال بنانے کی کاروائی نے ثابت کر دیا کہ سرزمین ایران سے امریکہ کے اثر و نفوذ کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی گئی ہے۔

جمی کارٹر مگر صدر کارٹر کی یرغمالیوں کی رہائی کیلئے فوجی اور اقتصادی اقدام کی دھمکی نے روس کو پھر چوکنا کر دیا اگر علاقائی صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو علاقائی جنگ کا خطرہ مول لئے بغیر امریکہ کا ایران پر حملہ قطعی ناممکن نظر آتا ہے کیونکہ بحیرہ اوقیانوس اور بحیرہ عرب کی جانب سے ایران کے ارد گرد تقریباً بائیس مسلم اور غیر مسلم ممالک میں تیرہ امریکی حلقہ اثر میں، پانچ مکمل روسی حلقہ اثر میں، ایک جزوی طور پر روسی حلقہ اثر میں اور تین غیر جانبدار ہیں۔ جبکہ ان بائیس ممالک میں پندرہ مسلم ممالک ہیں اور پندرہ مسلم ممالک میں سے نو اسلامی ممالک امریکی حلقہ اثر میں 5 مکمل روسی حلقہ اثر اور ایک جزوی طور پر روسی حلقہ اثر میں شامل ہے۔ غیر مسلم ممالک کے رد عمل سے قطع نظر روسی حلقہ اثر میں آنیوالے مسلم ممالک تو ایک طرف رہے امریکہ کے زیر اثر مسلم ممالک بھی یہ ہرگز برداشت نہیں کرینگے کہ ایک اہم ترین اسلامی ملک پر جارحیت کے ذریعے کوئی بھی ملک قبضہ کرنے کی کوشش کرے۔ اسطرح ایک جانب تو یہ درست ہے کہ ایران سے ملحقہ اسلامی ممالک امریکہ کے خلاف جوابی کاروائی میں عملی حصہ نہ لے سکیں تو کم از کم اس سے قطع تعلق تو ضرور کر لینگے سوائے ایک دو اسلامی ممالک کے اور دوسری جانب روس کا اس صورتحال سے وسیع پیمانے پر فائدہ اٹھانا بعید از قیاس دکھائی نہیں دیتا۔ پھر بھی امریکہ جس انداز سے ایران کی سفارتی بحران کو بہانہ بنا کر تیل پیدا کرنیوالے اسلامی ممالک کے خلاف نہایت منظم منصوبہ بندی کے تحت وسیع پیمانے پر حملے کرنے کیلئے اپنے یورپی حلیفوں سے کھلم کھلا صلاح مشورے کر رہا تھا۔ وہ روس کیلئے بیک وقت باعث تشویش اور باعث دلچسپی تھا لہذا روس نے امریکہ کے علاقے میں خراب ہوتی ہوئی پوزیشن اور اسکی گھبراہٹ اور کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے افغانستان میں فوجیں داخل کر دیں۔ افغانستان میں روس کے فوجی اقدام کے نتیجے میں امریکہ کی توجہ اگر ایران سے ہٹی نہیں تو کم از کم اس کیلئے ایک اور باعث دردِ سر مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اگر افغانستان میں روس کی فوجیں کاروائی اور ایران کے "سفارتی بحران" کو سامنے رکھتے ہوئے روس کے آئندہ متوقع لائحہ عمل پر غور کیا جائے تو صورتحال کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ سوال ذہن میں ابھرتے ہیں وہ یہ کہ کیا روس افغانستان پر مکمل قبضے کے بعد ایشیائی ریاستوں کی تنظیم نو" کے منصوبے پر مزید عمل درآمد کرتے ہوئے پاکستان کے خلاف جارحانہ کاروائی کر سکتا ہے؟ اگر ایسا ہوا تو اس سلسلے میں امریکہ کا کیا رویہ ہوگا اگر روس پاکستان کے خلاف کاروائی نہیں کرتا تو افغانستان میں فوجی اڈوں کی تعمیر کا کیا مقصد ہے اور ان سے روس کیا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے؟

Soviet Union's Defeat in or Retreat from Afghanistan!

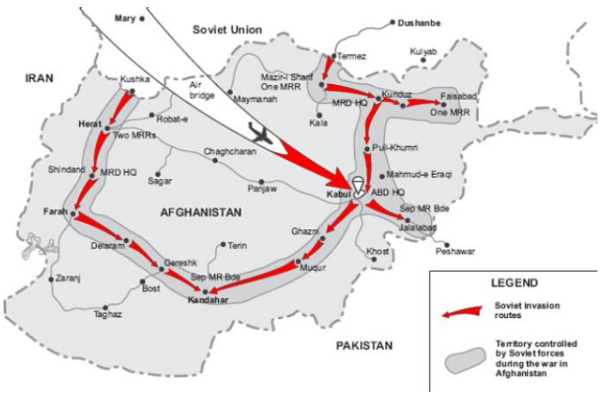

By Zahid Hussain Khalid

Published in Daily the Muslim in April 15, 1988

Some people think that the Soviet has been forced by the Mujahedeen to withdraw its troops from Afghanistan.

The economists are of the opinion that the cost of political involvement and military operation in Afghanistan has compelled the Soviet Union to swallow the bitter pill of unconditional withdrawal.

The diplomatic circles believe that there is some behind the curtain understanding between the Soviet and American heads of the states.

The geo-politicians maintain that Soviet Union's expected, as a matter of fact; much awaited decision to withdraw its troops from Afghanistan is a carefully calculated geo-strategic move. It is a well considered timely retreat to convert "an act of open aggression" into "an outcome of circumstances" for the achievement of those regional geo-political goals which cannot be achieved otherwise without the use of force for indefinite period at the cost of worldwide resentment, condemnation and adverse socio-economic and political consequences. The Soviet Union has learnt that the Afghans cannot be ruled and their land cannot be acquired merely at the gun point.

The Soviet Union's geo-politicians strongly believe, as pointed out by Straus Hupe and Stephen T. Passony, that Afghanistan is an artificial conglomerate of states which cannot remain united under a central government due to their racial, tribal and ethnic differences.

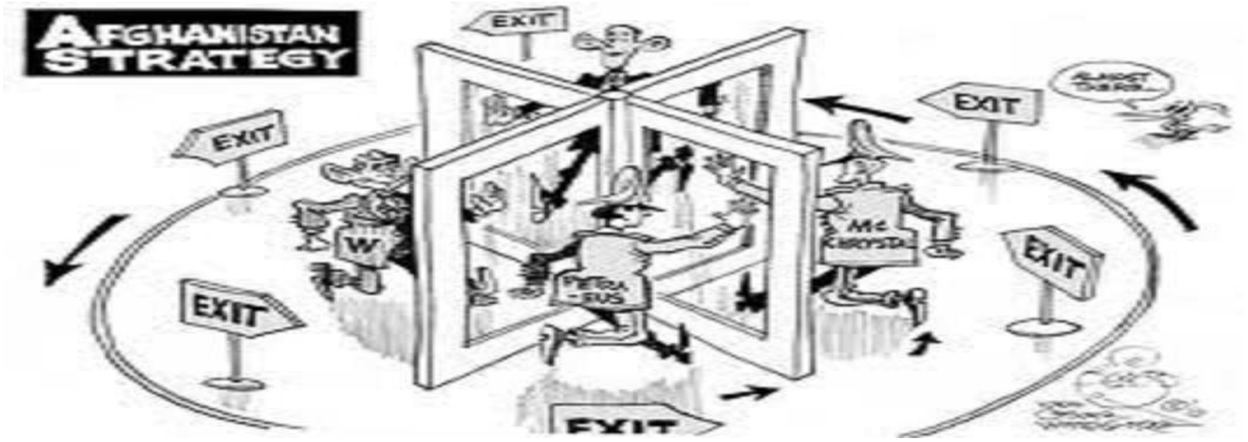

Afghanistan is inhabited by Tajiks, Uzbeks, Turkmens, Pashto and Persian speaking Afghans. It is an established fact that the Afghan Tajiks, Uzbeks and Turkmens are very close to Soviet Union as far as their culture, traditions and ideological inclinations are concerned. Similarly, the Pashto and Persian speaking citizens of Pakistan and Iran have very strong relations with the Pashto and Persian speaking Afghans. Therefore, there is no strong barrier between them to guarantee that any political or religious upheaval in Iran or Pakistan will not cross the Afghan borders to result in political and religious unrest in those Soviet areas which are inhabited by Tajeks, Uzbeks and Turkmens. Soviet Union had very seriously tried every available direct and indirect political and diplomatic option to create a vacuum in Afghanistan without military intervention to make sure that any wave of political or religious upheaval or unrest does not penetrate into Soviet borders through Afghanistan. The best of all available options was to take maximum advantage of the serious differences of opinion between Pakistan and Afghanistan on the issue of Durand Line with an objective to keep them on non-speaking terms with each other. The much publicized understanding between the late Prime Minister Zulfiqar Ali Bhutto and Sardar Daud was the clear indication of Soviet Union's displeasure and disappointment. It was obvious that the time of Soviet military action in Afghanistan had come. However, there was no sound reason for immediate military action. Bhutto regime's internal and external policies were not considered harmful to Soviet interests. Similarly in Iran, Reza Shah Pahlavi was facing serious threat to his rule. Nevertheless, it was premature to ascertain what direction the anti-monarch agitation would take.

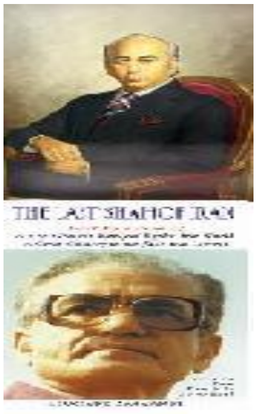

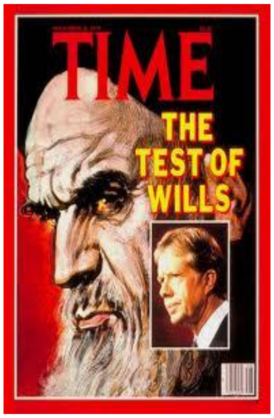

Following events which were cause of concern to Soviet leadership, paved the ground for Soviet intervention in Afghanistan. In Pakistan, Bhutto was forced to step down and in Iran Reza Shah Pahlavi had to leave the crown and the country. At that time, the only strong force behind those sudden political changes was nothing else but a clearly visible "religious upheaval." That religious upheaval was so sudden and powerful that both the Soviet Union and the United States of America were afraid of its undesirable consequences and influences. The way a religious leader had come into power in Iran was not something to be ignored. Similarly, in Pakistan Zia-ul-Haq's serious and loud determination to turn Pakistan into a true Islamic state and "Fort of Islam" was also a serious threat to Soviet interests in Afghanistan which served as a buffer between Soviet Union, Iran and Pakistan. The Soviet Union had two options: First, to leave Afghanistan open to draw its own conclusions from the wave of political and religious upheaval in Iran and Pakistan. Second, to install a regime of its own choice in Afghanistan, with or without the use of military force, to make sure that Soviet Union's geo-political and ideological interests were safeguarded.

The Soviet leaders wanted to keep the "battle of ideological differences" away from Russian borders. Therefore, the first option and its expected outcome were not in conformity with the geo-political and ideological considerations and expectations of the Soviet leadership. It was ultimately decided to try the rulers of Soviet Union's choice in Afghanistan. It was a political move to avoid military intervention. To the disappointment of Soviet leaders the Afghan rulers failed to firmly establish themselves. The diplomatic circles were of the view that the Soviet backed Afghan rulers were rapidly changed because they were not capable and strong enough to understand and implement the "Soviet Regional Plan of Action for the Territorial Re-organization of the Asian States." There is a very strong reason for the failure of the Afghan backed regimes in Afghanistan.

It is believed that the Soviet Union wanted to extend its borders to those Afghan areas which were inhabited by Tajeks, Uzbeks and Turkmens. The desired extension in the Soviet borders was not possible without the dismemberment or disintegration of Afghanistan which was obviously expected to result in retaliation from Afghan nationalists. The geo-politicians believe that the Soviet Union wanted to compensate Afghanistan's loss of land with a possible extension of Afghanistan's borders to those areas in Pakistan which were inhabited by Pathans. Now this has become obvious because majority of the Pashto and Persian speaking Afghans have been pushed into Pakistan and Iran. They want to go back to Afghanistan only when there is peace and political stability.

Immediately after the implementation of the decision of the Soviet Union to withdraw its troops from Afghanistan a political vacuum will be created and the about-t-end military conflict is automatically expected to convert into a political struggle for power resulting in obvious civil war. The Soviet Union has created the same situation which was created in East Pakistan before its ultimate fall. There are pleasant and painful aspects of this situation. The pleasant aspect of the situation is that the majority of Pathans are living in Pakistan and more than two million Afghan refugees are their guests. Therefore, one cannot rule out the possibility of the extension of Pakistan's frontiers to those areas in Afghanistan which belong to Afghans presently settled in Pakistan. Our senior diplomats have denied that they are consciously trying to take advantage of this situation. The diplomatic circles strongly believe that the government of Pakistan, ministry of foreign affairs and the Afghan negotiators are not the concerned parties to make the final decision in this regard. They think that the final decision will be taken by the Afghan refugees and the people of NWFP. There was a time when the people of NWFP had voluntarily and willingly decided to opt for Pakistan. Their decision to become Pakistanis was a clear reflection of their love for Pakistan. There is no doubt that their majority loves Pakistan even today. The diplomatic and geo-political circles believe that in the near future the people of NWFP will have to opt for a "Greater Pakistan or a Greater Pakhtoonistan."

The writing on the wall will not be erased by an acceptable and amicable settlement of issues in Geneva or Washington. This is how the Soviet Union will convert "an act of aggression into an outcome of circumstances."

One War Ends

New War Front: Hot Spots

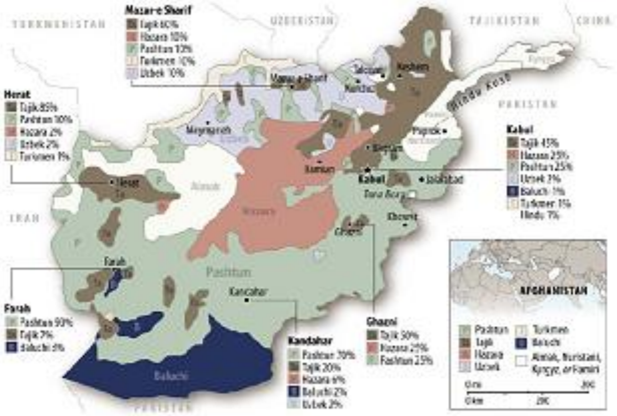

What Is Their Future?

America, the Great Game and the Greater Middle East in a Globalized World

An un-discussed perspective unveiling the birth of Conspiracy Theories

American Global Strategic Game Planners started thinking of defending an economic fort without planning to construct it first!

By: Zahid Hussain Khalid

- The Post WW-ll Containment Strategy
- Carter Administration's Post Yom Kippur War Global Strategic Vision
- Iranian Islamic Revolution, Soviet Occupation of Afghanistan and Re-Alignment of Post WW-ll Containment Strategy
- Americanization of Russia's Plan for the Territorial Re-Organization of Asian States
- Possible Division of Iraq, Its Expected Fall Out and Regional Political Re-adjustments in Middle East and South Asia
- Five Important Questions
- Jimmy Carter's Three Strategic Options and Their Ultimate Outcome
- Global Re-tailoring of "Identity, Religion and State-Society Relationship" and the Role of Intellectuals
- Proliferation of Media Groups and Two Obstacles in the Way of the Implementation of the American Global Strategic Vision
- The Opportunity that American Leaders Missed to Make America a Global Leader
- The Event that Proved to be the Last Nail in the Coffin of Turning the Fading Global American Influence into Hate America Sentiment
- The Real Great Global Game Will Begin After the Withdrawal of American Troops from Afghanistan When Carefully Planned Regional Political Re-Alignments Will Be Challenged
- The Question is will the "Debt Ceiling" and "Fiscal Cliff" allow the American establishment to respond to the challenges ahead?
- Will a truly "New World Order" emerge consisting of Regional Cooperation Alliances as equal economic partners?

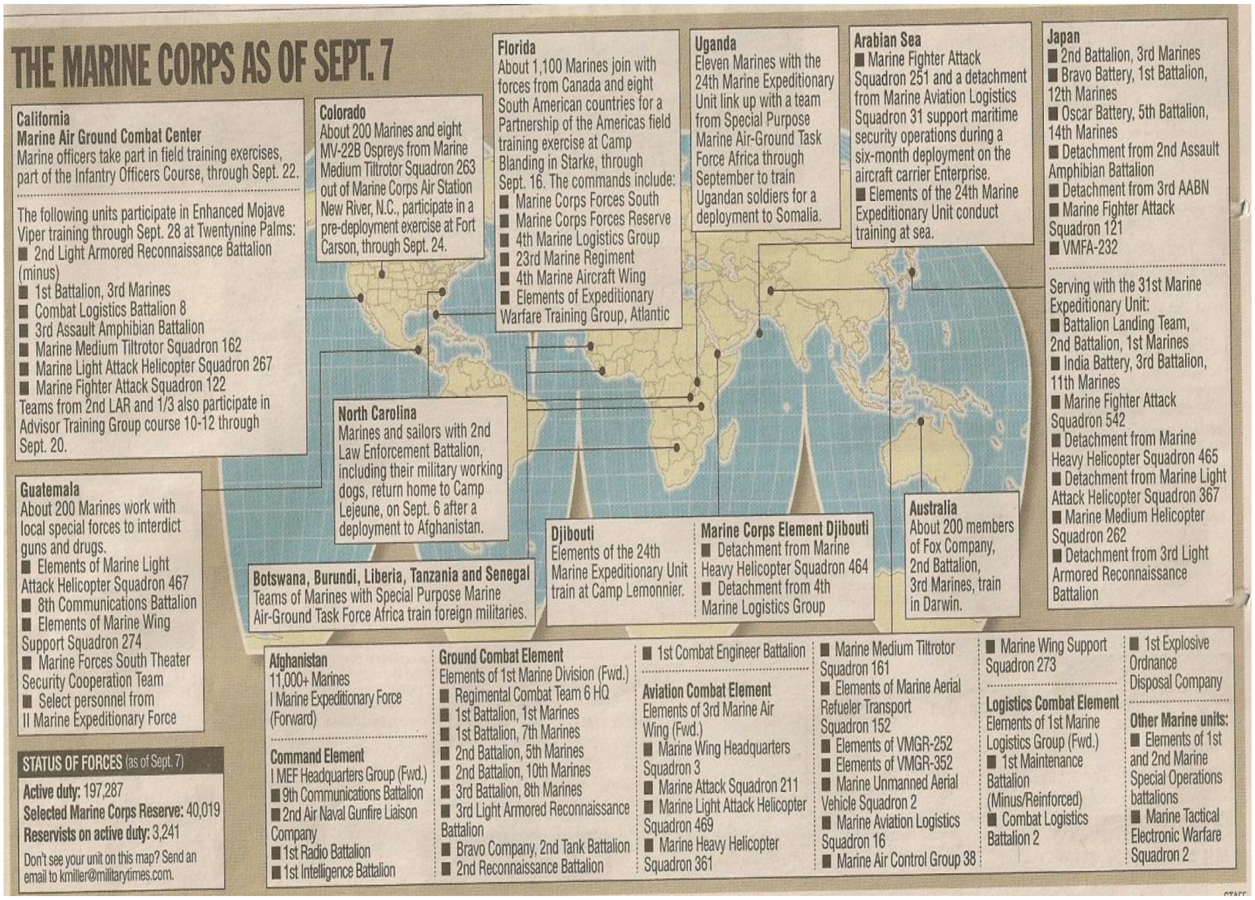

Between post WWll and the end of bi-polar world United States of America was struggling to become a leader in almost all tangible and intangible elements of, at that time unimaginable, global power. The disintegration of Soviet Union and the end of the cold war had opened a new chapter in the history of international relations and USA was seen standing at the cross- road of history to decide which way it had to go.

What was the post WWll scenario?

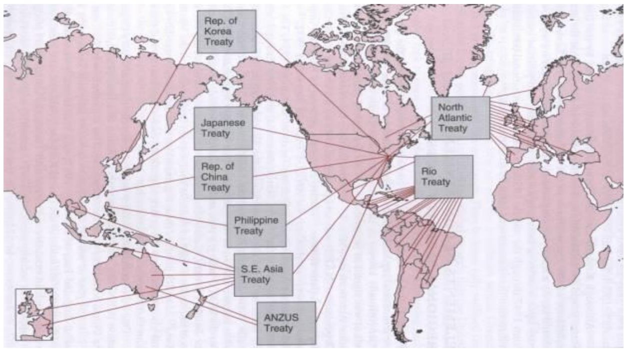

After World War II, the United States initially built its "containment strategy" on two zones: Western Europe at one end of Eurasia and Japan and South Korea at the other. The containment strategy was based on reconstruction of Europe, global expansion of manufacturing base, introduction of innovative social and economic reforms and aid for human and natural resource development as an attractive display of diplomatic good will. The 1973 Yom Kippur War between Israel and Arab states did not only lead to a global stagflation, it resulted in militarization and politicization of American Global Strategic Vision too.

Carter administration's post Yom Kippur War Global Strategic Vision was based on the recommendations of a working group published in "Reducing Global Iniquities." In that book, the American foreign policy options in the oil rich Gulf region were discussed in detail and implemented through covert means until 9/11 and overtly since then. As Soviet power projection capabilities grew in the late 1970s and as the oil-rich Persian Gulf states fell into

war and political instability, the United States added Persian Gulf as a third strategic zone, interrelated with the first two because Western Europe and Japan depended critically on its oil production.

The foundation of a network of military bases was laid in geographically suitable countries in the Gulf region for encountering any potential threat to American interests and to convincingly make the American “military presence felt.”http://www.history.com/topics/energy-crisis/videos#carter-on-the-persian-gulf-1980. Prior to that the Iranian Islamic Revolution lead by a religious leader Khomeini and former Soviet Union’s occupation of Afghanistan disturbed the post-WWll global alignments and adjustments threatening the firm American political, economic and military strategic hold on majority of the Muslim countries except a few. The strategic review of the situation, according to General William E. Odom, unveiled the following three new realities underlining the need for change in old strategy for making room to include new players in the emerging Great Game and the Greater Middle East.

First, the oil and natural gas reserves in the Caspian Sea basin approach the size of those in the Persian Gulf. Given the added demands for energy caused by the rapidly growing economies of China, India, and other late developing states, the importance of these additional reserves is obvious. (This reality is controversial and questioned for different debatable reasons. It cannot be completely ruled out though).

Second, political and military conditions in the Transcaucasia and Central Asia present obstacles to bringing this energy to the global market.

Third, both regions are the object of outside states competing for influence there. Not only Russia, but also China, Turkey, Iran, Pakistan, and Saudi Arabia, are competitively engaged, often in non-constructive ways. Also, some of the problems in the Persian Gulf region and Afghanistan are refracted into Central Asia and the Transcaucasia.

The serious nature of the unveiled realities can be understood with the help of two statements. These realities were summed up by Guy F. Caruso, Director Strategic Energy Initiatives, ISIS in a testimony before the Senate Energy and Natural Resources Committee as “one of the ironies at the turn of the century is that, in an age when the pace of technological change is almost overwhelming, the world will **remain** dependent, out **to** the year **2020** at least, **essentially** on the **same** sources of energy-oil, natural gas, coal – that prevailed in the twentieth century.”

This is how Zbigniew Brzezinski described the stakes, "Seventy-five percent of the world population, most of its material riches, 60 percent of the world's GNP, 75 percent of sources of energy, and behind the US, the six most prosperous economies and the six largest military budgets."

The real Great Game has consequently been expanded to include Middle East and South Asia for access to natural resources for converting developed world’s dependence on resource rich countries into “display of domination.” This display of domination was not possible to become a reality without properly understanding the linkage between the Arab World and the Asian subcontinent. When a serious attempt was made to do that it dawned that “the linkage between the Arab World and the Asian subcontinent” according to a research report, “was under-

examined." Not only that, "the war over identity, religion and state-society relationships was played out acutely in five countries of the Middle East and South Asia: Saudi Arabia, Iraq, Iran, Pakistan and India. The five states were interacting in multiple and fundamental ways."

The discussion on a uniform strategic vision for Middle East, South and Central Asia was of no use without addressing the "identity, religion and state-society relationships." The only available option to strategic planners was "the geographical regrouping on the basis of ethnicity and sectarianism." The concept of regrouping was inspired by Russian geo-strategist Mistilavsky who had propounded, focusing only on Afghanistan. "Afghanistan," in view of Mistilavsky in Strauss Hupe and Stephan T. Passony's book, International Politics, "was a conglomerate of different ethnic groups which could not be governed by a central authority." The purpose of Soviet attack on Afghanistan was to contain the possibility of post-Islamic revolution Iranian influence on Tajikistan, Uzbekistan and Turkmenistan and to redraw the boundaries of Afghanistan by dividing it into Pushto, Afghan and Russian zones.

Former Soviet Union's Plan of Territorial Re-Organization of Asian States was pre-tested in Afghanistan and it miserably failed only due to the covert and overt retaliation of United States of America with a firm determination to put a permanent end to the possibility of a similar adventure in future. But, unfortunately, in Iraq a similar adventure was staring at America.

"Iraq had presented a buffer within the Middle East System," according to a research report, "counterbalancing Iran and keeping Turkey facing west; now Iraq is the epicenter of a new set of tension drawing in Saudi Arabia, Syria, Iran and Turkey. Iran has become a dominant player in the heart of the Middle East. Consequently, the apparent elimination of Iraq is expected to create a regional vacuum completely altering the power balances and containment effects of that."

What we have seen in Tunis, Egypt, Libya, Syria and Mali after Afghanistan and Iraq are merely indication of what we need to prepare ourselves to see in the future. The ongoing wars, civil unrest and external intervention will not only escalate they are expected to engulf other countries too including Iran, ultimately Pakistan and possibly China too.

In view of this different perspective of the realities on ground the following questions need to be answered:

Can Saudi Arabia and or any other Asian country play a leading role in bringing all the regional countries on a newly formed Arab-Asian platform to find a peaceful way out on the principle of mutual diplomatic adjustments in the interest of all countries in the region?

Can the anticipated fall out of the feared transition in Iraq be avoided through a series of serious dialogue between the communities and countries involved?

Will the South Asian countries be allowed to benefit from India's rise and economic expansion?

Will Iran come out of the geo-strategic containment circle around it or fight its way through the circle to benefit from the emerging regional geo-economic realities? Which new bi-lateral and / or multi-lateral alliances and geo-strategic military formations are expected in the near future?

Is there a possibility of the neutralization or marginalization of the anticipated tensions through sectarian understanding, moderation and toleration? Will the outside forces and global geo-strategic players allow this understanding to develop and mature?

Before answering the above questions, it will be appropriate to see where America went wrong after Yom Kippur War, disintegration of Soviet Union and 9/11.

Jimmy Carter's response to challenges posed by the Oil Embargo of the oil producing countries was very intelligently designed and implemented covertly with excellent precision. In "Reducing Global Iniquities," three options were presented for the consideration of Jimmy Carter. The first option was to occupy the oil producing countries, the second option was to assassinate the leaders behind the Oil Embargo and the third option was to replace the defiant political leaders of the resource rich countries with compliant political leaders.

Interestingly, American government immediately started working on the last two options as suggested but instead of occupying the oil producing countries they convinced the compliant rulers to allow the opening of military bases. The elements of national power and system of governance in the resource rich Muslim countries were very tactfully dis-configured and pillars of the state were very intelligently made almost dysfunctional in most of the geo-politically important countries one after the other. The others are not sure of their political future. But still the threats and challenges are very much there. Pakistan's nuclear capability and Iran's insistence to enrich uranium for making nuclear weapons, no matter what, are on top of the list of the acknowledged and seriously taken threats and challenges to America. Now let us see what the consequences are.

In late 1970s America, Israel and GCC countries, according to The Middle East magazine, agreed not to initiate a ground to air and air to ground war against each other. This agreement eliminated the possibility of the liberation of Palestine through military means. Palestinians without the military support of surrounding Muslim countries cannot even think of an independent homeland. In a situation like this the best available option to Egypt, Jordan and Syria was to follow the GCC countries and sign a similar agreement.

Egypt did that but Syria due to Russian influence and Jordan fearing internal unrest decided not to follow Egypt and GCC countries. It is repeatedly stressed that Syria and Iran are not only supporting the arms resistance in Palestine causing instability in Lebanon, they are threat to the very survival of Israel too. Now see how this scenario is closely linked with the scenario of the possible fall out of a division of Iraq into, , as envisioned and suggested by Joe Biden, Shia, Sunni and Kurd dominated regions and try to understand the need for addressing the "identity, religion and state-society relationships" in Iraq and the surrounding as well as other Muslim countries.

Interestingly, so far the Americans did not succeed in exploiting the visible "sectarian identity divide and the differences of religious inter-sect beliefs." The only fabric they have successfully re-tailored is "state-society relationship" as suggested in "Reducing Global Iniquities." Unfortunately, this re-tailoring of state-society relationship also did not serve the actual purpose of doing so and created new and far more serious problems for America than helping to solve the old ones.

There are three important pillars of state-society relationship: State, society and intellectuals as so-called opinion makers. The intellectuals are symbolically considered to be the conceptual bridge between a society and a state due to their educational background, appearance in print and on electronic media, access to those who matter at the highest levels in civil and corporate governance and right or wrong influence on society through media. This is where the American strategic planners and intelligence agencies made a seriously damaging mistake as pointed out in an important CSIS report on relations between Pakistan and America.

These intellectuals instead of knowingly or unknowingly widening the gulf only between society and the state actually widened the gulf between society and the state on the one hand and far more seriously damaging American interests on the other due to their stupidity, lack of awareness of the sentiments and levels of comprehension of their audiences as a result of their shameless visible hypocrisy, hatred for everything moral, ethical, constitutional, lawful and religious. Dozens of examples can be presented here but let us leave it for some other occasion. The main question is how the deteriorating society-state relationship has a negative impact on the objectives of the American geo-strategic plans in other countries?

The world is aware of the reasons and the background of the military action in Iraq and Afghanistan but what has happened in Tunis, Egypt and Libya and what is happening in Syria, Pakistan and Iran is an ongoing invisible Military Action Other than War through Psychological Military Operations. The intellectuals and NGOs are used as "intelligence assets" in Military Operation Other Than War dividing and weakening a society and state from within pretending to be friends instead of appearing as enemies of both society and the state. Globalization of media and proliferation of media groups have created two obstacles in the smooth implementation of this aspect of American Global Strategic Vision.

The first obstacle is that the hiding of truth has become extremely difficult. When the truth is revealed by one media group in or outside a country others are left with no choice but to follow.

The second obstacle is that the people have become knowledgeable without proper education and that is far more dangerous and uncontrollable in leaderless countries than non-state anti-American terrorists.

In a situation like this the self-pampered, biased and dishonest intellectuals lacking the knowledge of ground realities are adding fuel to the fire instead of calming down the anti-American sentiments.

This is evidently an ignored flaw in Strategic Intelligence Vision and consequent on ground overseas Psy-War activities of the American administration, State Department, intelligence agencies and Pentagon. This is what happened and what is happening as a consequence of post-Yom Kippur War Strategic Intelligence Vision clearly demonstrating partial success in intelligence objectives to the extent that now America at least has a corps of compliant leaders and visibly damaging media support in Muslim world and more than hundred countries that have become untrustworthy members of the so-called League of Democracy after color revolutions and seasons of political upheavals and civil unrest.

A much bigger blunder was made after the disintegration of Soviet Union and end of the cold war. That was a time when American brains behind Global Strategic Vision had to cool headedly take advantage of the post WWll reconstruction of Europe and economic leadership of the world by re-visiting their priorities and reconfiguring them for a “possibly” uni-polar world because they did not have any economic or military threat in their way to get America acknowledged as a genuinely true global social, economic, political, military and diplomatic leader.

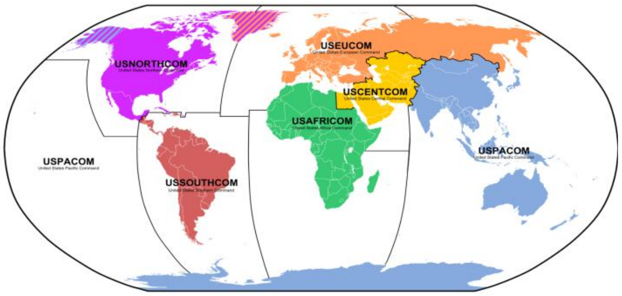

Instead of relying on their good-will they took the wrong decision and American Global Strategic Game Planners started thinking of defending an economic fort without planning to construct it first by presenting the idea of creating a Rapid Deployment Force to protect America’s global economic interests in geo-strategic regions on the world map. Was there any threat to global economic interests of America at that time? This wrong strategic decision sent alarming signals to the countries that had their own peaceful global economic plans for which they needed the assurance of unhindered flow of natural resources. This is when the conspiracy theories were literally and understandably born. The American idea was not to occupy the resource rich countries. The idea was to make sure that the global flow of resources was not blocked for any reason to understandably any country. The two words that had compelled the leaders of truly independent countries who were working on their own global economic growth plans to raise eye brows were “American interests.” The question is that, at that time when the idea of Rapid Deployment of Forces was being considered, was there any real threat to American economic interests in any way from any country? Did they try to bring the allies on board? Was there any serious discussion on any platform to have a truly Global Economic Agenda? So far all these questions did not deserve any serious attention or answer because nothing was happening anywhere in the world in the military realm except the use of pressure tactics by American administration on weak and fragile leaderless states of no economic or military significance. The majority of oil producing countries was already under American sphere of influence and their leaders did not have the guts to question the logic of American demands and everything was going smooth.

Then 9/11 happened as a last nail in the coffin of turning fading global American influence into hate America sentiment. It did not matter to America anymore because American establishment, as a consequence of Post Yom Kippur and Cold War Global Strategic Vision’s partially successful implementation, had comfortably set up a global network of military and drone bases to effectively address any outside challenge to country’s social, economic, political, diplomatic and military interests from any side in any way. The questions are for how long and at what cost? To have answer to the first question the world will have to wait till 2014 when the American troops will leave Afghanistan and to the second question look into the reasons for the two challenges endangering the very economic future of the United States and they are “debt ceiling” and “fiscal cliff.”

The main causes that have turned these manageable economic challenges are not economic but military short sightedness of American administration. The invisible and undisclosed out-of-budget borrowed cost of maintaining global military and drone basis has not only sky rocketed it has made the economic survival of American allies also in doubt. This is an aspect of American love for domination through military means which has been so far neglected and is not on any discussion agenda at any platform.

The time of above analysis and serious consideration of its different discussed and un-discussed aspects has passed. Now America is seen as an insignificant player in global social, economic, political, diplomatic and military events within a decade or two. The regional economic cooperation alliances will have far greater influence on the policies of a truly globalized world instead of accepting and following strategically flawed American agenda.

Zahid Hussain Khalid has worked for national and international media groups not as a journalist but a marketing practitioner, researcher and analyst. He successfully initiated and completed the assigned managerial and country tasks for such publications as Arab News, Financial Times, Jang Group, Euromoney magazine, Petroleum Economist, South China Morning Post, Asiamoney magazine, Innovation Management and Hong Kong Standard except Forbes Inc, Forbes Global, Forbes Europe, Forbes Asia. He will always remain thankful to Mr. William Adamapolous and Mr. Steve Forbes of Forbes Inc and Mr. Tony Shale CEO, Euromoney Institutional Investor Group (Jersey) Limited for their personal encouragement and support in initiating and marketing Pakistan-specific innovative integrated media packages for investment promotion. He also worked as Associate Producer, Current Affairs, Pakistan Television Corp.

His articles have appeared in the Daily Jang, Daily Mashriq, the Nawa-e-Waqt and daily The Muslim on social, economic, political, diplomatic and military subjects which are available here http://zahidhkhalid.wordpress.com/ and here http://www.slideshare.net/19540201

He had co-produced more than hundred episodes of the most popular weekly program "Hafta-e-Rafta" and was nominated for Best Producer's award for documentaries on Afghan Refugees and Year of the Aged.

His work reflects a visible difference because he strongly believes in innovative approach in everything that he does. He was co-owner of International Media Sales from 1991 to 2012 and is owner of SUN&FZ Associates since 1994.